دربار میں حاضر ہوئے اور سردربار سنایا اعلیٰ حضرت بہت خوش ہوئے اور داغ صاحب سے فرمایا کہ میں نے آپ کو یہ اندازہ کرنے کی وجہ سے یہیں روک لیا تھا کہ آپ کا بھتیجا خود کہتا ہے یا آپ کہہ کر دیتے ہیں مخالفین بہت خفیف ہوئے[۱]۔

حیدرآباد میں سائل صاحب جن مشاعروں میں شرکت فرماتے تھے ان میں عام طور پر ایسی غزل پڑھتے تھے جو آٹھ نو اشعار سے متجاوز نہ ہوتی تھیں ایک بار برسبیل تذکرہ مہاراجہ سرکشن پرشاد نے کہیں یہ کہہ دیا کہ سائل صاحب کی غزل تو مختصر ہوتی ہے۔ یہ بات سائل صاحب تک پہنچی خاموش ہو گئے۔ چند روز بعد ہی مہاراجہ سرکشن پرشاد نے مشاعرہ کیا انھیں بھی دعوت دی۔ طرح پر غزلیں شروع ہوئیں۔ ان کے سامنے شمع آئی تو نہایت سادگی سے اپنی غزل پڑھی جو ۲۵ اشعار پر مشتمل تھی۔ مقطع کے ساتھ ہی اجازت چاہی کہ ایک مطرحہ غزل اور عرض کی ہے اگر اجازت ہو تو عرض کردوں۔ حاضرین نے بڑے اشتیاق سے ۲۵ اشعار کی غزل بھی سُنی۔ اور مقطع کے ساتھ تیسری غزل کی اجازت چاہی اس طرح ۲۵-۲۵ اشعار کی پانچ غزلیں پڑھیں۔ مہاراج بھی بہت لطف اندوزی کے ساتھ سن رہے تھے جب مقطع پڑھا تو مہاراج ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے اور کہا کہ سائل صاحب میری طرف سے اگر آپ کو کوئی بات پہنچی ہے تو وہ محض برسبیل تذکرہ کہی گئی تھی اس سے میرا مقصود آپ کی توہین یا تنقیص نہ تھا آپ کا کلام سن کر آج بڑی مسرت اور خوشی ہوئی۔

سائل صاحب نے اپنے مخصوص منکسرانہ انداز میں عرض کیا کہ مہاراج آپ کا اتنا فرما دینا ہی کافی ہے میں تو مختصر غزل اس لیے پڑھتا تھا کہ میری کوتاہیاں اور عیوب جہاں تک ہو سکے کم ہی ظاہر ہوں تو اچھا ہے۔ لیکن جب ظاہر کرنا ہی ٹھیرا تو پھر میں نے خیال کیا کہ

---

[۱] یہ واقعہ مجھ سے محب محترم مولوی محمد حسن صاحب اختر تلمیذ حضرت سائل نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے خود استاد مرحوم نے بیان فرمایا تھا۔

پورے طور پر اپنے عیوب کی نمائش کر دوں۔

سائل صاحب کی یہ مسلسل غزلیں ان کی بیاض میں موجود ہیں۔[1]

کچھ خانگی زندگی کے حالات | استاذ داغ نے ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا۔ ان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ نیز ان کی اہلیہ ان کی زندگی میں ہی انتقال کر چکی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد سائل دو ڈھائی سال تک حیدر آباد میں رہے۔

اس عرصے میں ان کے ترکے کے بارے میں بیگم سائل صاحب اور مرزا خورشید عالم کے مابین بڑی چپقلش رہی اس اختلاف اور مقدمہ بازی کا نتیجہ یہ ہوا کہ داغ کا ترکہ اور کلام وغیرہ بحق سرکار آصفیہ ضبط ہو گیا۔

۱۹۰۸ء میں سائل دہلی آگئے اور نگینہ محل فراشخانہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

اس وقت بڑی صاحبزادی قدسیہ بیگم کی عمر تین، چار سال کی تھی۔ قدسیہ بیگم کی پیدائش حیدر آباد میں ۱۹۰۴ء میں ہوئی تھی نگینہ محل فراشخانے میں صاحبزادہ قطب الدین محمد میاں کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔

سائل کی پہلی بیوی ممو بیگم کے بطن سے صرف ایک لڑکا تھا جو خرد سال فوت ہو گیا تھا اس کا نام "معظم مرزا" تھا اسی وجہ سے سائل صاحب کی کنیت "ابو المعظم" مشہور و معروف ہے۔

گذشتہ اوراق میں عرض کیا جا چکا ہے کہ نواب صاحب قبلہ کی پہلی شادی گوہر سلطان زمانی بیگم عرف ممو بیگم بنت نواب مختار حسین خاں آف پاٹودی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ نواب قاسم علی خاں دیوان پاٹودی کی بھانجی اور سائل صاحب کی خالہ زاد بہن تھیں۔

---

[1] بروایت مرزا جمیل الدین صاحب عالی ابن نواب سر امیر الدین مرحوم فخر الدولہ والی لوہارو

نواب قاسم علی خاں کی ایک بہن سکندر جہاں تو سائل صاحب کی والدہ تھیں اور دوسری بہن اکبری بیگم نواب مختار حسین خاں والی پاٹودی کو منسوب تھیں ۔ اور نواب قاسم علی خاں کی صاحبزادی سردار جہاں نواب ممتاز حسین خاں بن نواب مختار حسین خاں کو منسوب تھیں

ممو بیگم کا دوسرا نکاح سید منور علی خاں کے ساتھ ہوا ۔ ان کا انتقال ۱۳۵۴ھ م ۱۹۳۵ء میں ہوا اور قدم شریف میں دفن کی گئیں ۔

غرضکہ سائل صاحب کا دوسرا نکاح ۱۹۰۱ء میں موجودہ بیگم (لاڈلی بیگم) کے ساتھ ہوا جو چھوٹی بھاوج اور نواب ممتاز الدین احمد خاں مائل کی بیوہ تھیں مائل مرحوم کے صاحبزادے مرزا ناصر الدین احمد خاں ہیں ۔ حیدرآباد میں مرزا ناصر میاں کے ایک انگریز ماسٹر تھے جن کا نام تھا " مسٹر کیری " جو ان کو پڑھانے آتے تھے ۔ ناصر میاں کی پہلی شادی ان کی صاحبزادی سے چرچ میں عیسائی رسم ورواج کے مطابق ہوئی ، ان کے بطن سے ان کے صاحبزادے مرزا فتح الدین ہیں جو آجکل غالباً کانپور میں ہیں ۔ اس نکاح کے کچھ عرصے کے بعد سائل صاحب تو دہلی چلے آئے تھے مگر ناصر میاں مع اپنی زوجہ کے حیدرآباد ہی میں ایک کوٹھی لے کر رہے سرکار نظام سے دونوں کا منصب تھا ۔ " مسٹر کیری " کا انتقال ہو چکا تھا کچھ عرصے کے بعد آپس میں کچھ نا چاقی ہو گئی اور مرزا صاحب اپنی یوروپین بیوی کو حیدرآباد میں ہی چھوڑ کر دلی آ گئے یہاں آنے کے بعد دوسری شادی مرزا خورشید عالم کی نواسی (شبن بیگم) کے کے ساتھ ہوئی (یہ مرزا خورشید عالم بن مرزا فخرو ولی عہد داغ مرحوم کے ماں شریک بھائی تھے) حیدرآباد میں مسز ناصر میاں نے سرکار میں ایک درخواست دی کہ میرا شوہر مجھے تنہا چھوڑ کر دہلی چلا گیا ہے نہ مجھے خرچ بھیجتا ہے نہ آتا ہے نہ بلاتا ہے لہذا اس کے منصب میں سے مجھے میرا حصہ ملنا چاہئے اس درخواست کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونوں کے منصب

بند ہو گئے تنگ آکر مسز ناصر میاں دہلی آگئیں۔ ناصر میاں اپنی پھوپھی کے ہاں محلہ مفتی والاں میں رہتے تھے اور یہ یوروپین خاتون سے سخت ناراض تھے۔ آخرکار اس کو سائل صاحب نے اپنی حویلی میں جگہ دی۔ اور یہ یوروپین خاتون اپنی آخر عمر تک مع اپنے فرزند مرزا فتح الدین (عرف فتا میاں) کے سائل صاحب کے ہاں رہیں۔ سائل نے اپنی اولاد کی طرح ان کو رکھا اور انھوں نے بھی ان کو اپنا باپ سمجھا۔ انگریزی زبان میں (جو ان کی مادری زبان تھی) ادبی مہارت رکھتی تھیں۔ باوجود یوروپین ہونے کے پردہ کی اتنی سخت پابند رہیں کہ کسی نے آنچل تک نہ دیکھا ۱۹۴۱ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ عیسائی مذہب پر آخر تک نہایت سختی سے قائم رہیں اور وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین بھی عیسائی طریقے پر ہوئی زندگی کے آخری چند سال ایسے گذرے کہ صاحبزادے سے بھی تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے اور باپ بیٹوں نے ایسا چھوڑا کہ اس غمی میں بھی شریک نہ ہوئے۔

سائل صاحب کی اولاد | سائل صاحب کی پانچ اولادیں مجھے معلوم ہیں۔ منظم مرزا[۱]۔ قدسیہ بیگم[۲] قطب الدین محمد میاں[۳]۔ غلام نظام الدین محبوب میاں[۴]۔ غلام فریدالدین فرید میاں[۵]

منظم مرزا جو خورد سال فوت ہوئے پہلی بیگم کے بطن سے تھے۔ نواب صاحب کی کنیت ابوالمنظم انھیں کی وجہ سے ہے۔

قدسیہ بیگم | موجودہ بیگم کی بڑی صاحبزادی ۱۹۰۴ء میں بمقام حیدرآباد پیدا ہوئیں مرزا عبدالرب صاحب سابق سشن جج لاہور کی پہلی زوجہ کا انتقال ہو چکا تھا پھر یہ مرزا صاحب کو منسوب ہوئیں ۱۹۴۲ء میں قدسیہ بیگم کا انتقال ہوگیا۔ استاد مرحوم کو صاحبزادی کے انتقال کا سخت صدمہ پہنچا اور اس صدمہ کی وجہ سے ان کی صحت روز بروز گرتی ہی چلی گئی۔

نواب مرزا قطب الدین محمد میاں | اب یہی میرے استاد زادے دلِ محروم کے سہارے ہیں

اور انھیں کی محبت و احترام میرے لئے سرمایۂ سعادت ہے ان کو دیکھ کر اُستاد مرحوم کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے جذبات محبت کی قدر و منزلت اُستاد زادے کے دل میں ہو یا نہ ہو مگر واصف مجزوں کے دل میں جب تک اُستاد مرحوم کی محبت بھری نگاہوں کا تقاضہ باقی رہے گا (اور یہ ہمیشہ رہیگا) اُستاد زادے کے لئے واصف کی آنکھیں فرش راہ رہیں گی

محترم اُستاد زادے مرزا قطب الدین محمد میاں المتخلص بہ فصیح کو سائل صاحب نے جناب بیخود دہلوی کا شاگرد کرادیا تھا فصیح تخلص بھی جناب بیخود دہلوی نے تجویز کیا تھا بہت اچھے شاعر ہیں اور سخن فہم طبیعت رکھتے ہیں۔ حسن و خوبی اور وجاہت و شوکت میں اپنے والد مرحوم کا نمونہ ہیں۔ اور بفحوائے الولد سر لابیہ ان میں اپنے خاندانی محاسن و اخلاق موجود ہیں۔ اگرچہ مخملی چوگوشیہ ٹوپی کی جگہ ہیٹ نے آڑے جیبت پاجامے اور تن زیب کے انگرکھے کی جگہ کوٹ پتلون نے حاصل کرلی ہے لیکن خصائل و عادات بالکل مشرقی تہذیب کے مطابق ہیں۔ ان کی سعادت مندی سے امید کی جاتی ہے کہ اپنے والد مرحوم کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے۔ اور اس قحط الرجال کے زمانے میں جبکہ مشرقی تہذیب و تمدن کی کشتی سخت طوفانوں میں گھری ہوئی ہے اپنی خاندانی اور وطنی روایات کی عظمت برقرار رکھنے میں کامیاب رہیں گے۔

ان کی پیدائش نگینہ محل فراشخانہ دہلی میں ۱۹۱۰ء میں ہوئی۔ اور مرزا عبدالرب صاحب کی زوجہ اولیٰ کی صاحبزادی سے شادی ہوئی ہے۔

مرزا غلام نظام الدین محبوب میاں ۱۹۱۴ء میں بمقام لال دروازہ دہلی پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی فوج میں ملازمت کرلی۔

۱۹۳۷ء میں نواب صاحب مرحوم ان کو حیدرآباد لے گئے اور وہاں کوشش

کر کے ریاستی فوج میں تبادلہ کرا دیا۔ نیز حیدر آباد کی فوج میں ان کو میجر کا عہدہ مل گیا۔ جنگ یورپ ۱۹۳۹ء کے زمانے میں جب انگریزوں نے ایران پر فوج کشی کی تو حیدر آباد کی فوج بھی برطانوی افواج کے ساتھ بھیجی گئی اور اس کے ساتھ محبوب میاں بھی گئے۔

ایران کے ملک الشعراء بہار جو لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر رہ چکے تھے۔ ان کی صاحبزادی طاہرہ بانو سے محبوب میاں کی نسبت ہوئی۔ جنگ کے زمانے میں فوجیوں کی نقل و حرکت صیغۂ راز میں رکھی جاتی ہے ہیڈ کوارٹر کی معرفت خط و کتابت ہوتی ہے خطوط میں فوجی اپنا پتہ نہیں لکھ سکتا یہاں نواب صاحب کو خط و کتابت کے ذریعہ سے اس نسبت کا علم ہوا اور ملک الشعراء نے بھی نواب صاحب کو نیازمندانہ خط اور تہنیت لکھ کر بھیجی۔ نواب صاحب نے اس کے جواب میں ایک فارسی کا قطعہ ملک الشعراء کی تعریف و تبریک کے طور پر لکھا۔

اس تقریب کے کچھ روز بعد مورخہ ۵ رفروری ۱۹۴۲ء کو حیدر آباد سے تار آیا کہ میجر غلام نظام الدین کا ہسپتال میں انتقال ہو گیا۔ تار میں انتقال کا سبب "گردن توڑ" ظاہر کیا گیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مقام آبادان کے ہسپتال میں انتقال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے۔

اسی سال ایک تعلیمی وفد ایران سے ہندوستان آیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے تعلیمی اداروں کا مطالعہ کرے اور نئی تحقیقات کے مطابق اپنے ملک میں تعلیمی اصلاحات پیش کرے اس وفد کے صدر آقائے رشید تھے جو طہران یونیورسٹی کے پروفیسر تھے اور طاہرہ بانو کے استاد بھی تھے

وہ طاہرہ بانو کا ایک ملفوف خط لائے جس میں اس نے اپنی تصویر بھی بھیجی تھی

اور خط میں نواب صاحب کو "اباجان" کے لفظ سے خطاب کرکے محبوب میاں کے انتقال پر اظہار ماتم کیا تھا۔ مگر انتقال کے اسباب اور تفصیلی واقعات کا قطعاً کوئی ذکر نہ تھا مختلف قسم کی افواہیں اور خبریں آتی تھیں مگر اصل معاملہ کچھ ایسا پردۂ خفا میں تھا کہ کسی طرح کھلتا ہی نہ تھا۔

نواب صاحب قبلہ نے راقم الحروف واصف کو صدر وفد آقائے رشید کے پاس بھیجا کہ شاید ان سے کوئی صحیح واقعہ معلوم ہو جائے اتفاق سے اس روز وہ جامع مسجد دہلی کی زیارت کے لئے آئے تھے میں نے جامع مسجد میں ہی ان سے گفتگو کی اور واقعہ کی تفصیل چاہی مگر ان سے بھی کچھ تسلی بخش تفصیل نہ ملی۔

نواب صاحب مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے غلام فریدالدین فرید میاں تھے جو ۱۹۱۸ء میں بمقام لال دروازہ پیدا ہوئے اور ایک سال سے کم عمر میں ۱۹۱۹ء میں جبکہ ہندوستان میں رولٹ ایکٹ مجریہ ۱۹۱۹ء کے خلاف ایجی ٹیشن ہو رہا تھا انتقال کیا۔ جس روز فرید میاں کا انتقال ہوا اس روز شہر میں بڑی زبردست ہڑتال تھی تمام دوا خانے بھی بند تھے مریض کو دوا بھی نہ مل سکتی تھی۔ اس واقعہ کو نواب صاحب نے ایک نظم میں بھی ظاہر کیا ہے یہ نظم ایک طویل ترجیع بند ہے جس میں تحریک کی مخالفت کی گئی ہے۔

باقی آئندہ

ادبیات

ترانۂ حیات

(لونگ فیلو کے ایک شاہکار کا پرتو)

{از جناب شمس نوید صاحب}

امریکہ کے مشہور فلسفی اور شاعر "لونگ فیلو" نے اپنے فکر و نظر کے لئے ایک وسیع اور جدید میدان تلاش کیا تھا اور ارباب نظر کو معلوم ہے کہ یہ فلسفی شاعر اپنے انتخاب میں کتنا کامیاب رہا ہمارے نوجوان اور نیک دل شاعر "شمس نوید" نے اس فلسفی کے "ترانۂ حیات" کو اپنے مخصوص طبعی رجحان کے ساتھ پیش کیا ہے۔ "برہان"

نہ کہہ نہ کہہ یہ المناک طرز میں مجھ سے — کہ زندگی تو فقط ایک خواب ہے ابدیست!
ہماری روح کی قسمت ہے اک دوامی نیند — ہر ایک چیز نظر کا سراب ہے ابدیست"

حیات موت نہیں — جاگتی حقیقت ہے — حدود قبر سے آگے رواں دواں ہے حیات
"تو صرف خاک ہے لوٹیگا سوئے خاک آخر" — کہی گئی ہی نہیں "روح" کے لئے یہ بات!

غم و نشاط، سکون و خلش، تبسم و اشک — کوئی نہیں ہے ترا جادۂ مقام نہ در